معاشی استحکام میں حدود وتعزیرات کی معنویت-تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر منیر احمد رسولپوری*

To achieve economic stability a state should ensure security for an individual as well as for an organization. The government should take steps to provide safety to a person's life, wealth, and sanity as well in the postmodern semiotics. These three factors play key role in the economic prosperity of a state. Islam guarantees the supply of basic needs and protection to every member of community and has taught detailed rules and determined restrictions in this regard for each and everything so that a person may pour his best efforts for well being of society. This is what confirms stability, boost and welfare of an economy.

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت جن احکام وقوانین پر مشتمل ہے بلاشبہ وہ قوانین افراد سے لے کر اقوام تک کی تمام انسانیت کے حق میں خیر وبرکت کا باعث ہیں، چنانچہ جو شخص اپنی ذات کی حد تک اسلام کے احکام پر جس قدر عمل پیرا ہوگا وہ انفرادی سطح پر اسی قدر اسلام کی خیر وبرکت ملاحظہ کرے گا اور جو قوم معاشرتی حیثیت میں اسلامی قوانین بروئے کار لائے گی وہ اجتماعی سطح پر اسلام کے فیوض وبرکات کا مشاہدہ کرے گی۔ ماضی کے تمام افراد اور ساری اقوام اسی حقیقت پر شاہد ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عہد موجود اور زمانہ مستقبل میں بھی جو افراد واقوام، اسلامی احکام وقوانین کا اتباع کریں گے وہ انہی فیوض وبرکات کا مستحق قرار پائیں گے جن سے ماضی کے کسی عہد کا انسان اپنی ذاتی، معاشرتی اور معاشی حیات میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر مستفید ہوتا رہا ہے۔

احکام شریعت کے باعث خیر وبرکت ہونے پر قرآن حکیم میں فرمان ربانی ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ [۱]

”اور اگر یہ لوگ توراۃ اور انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان کے پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے۔ ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں۔“

مولانا مودودیؒ اس کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج رینالہ خورد۔

''اگر تم احکام الٰہی کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرو گے تو کس کس طرح اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے جاؤ گے اور اگر کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر نافرمانیاں کرو گے تو کس طرح بلائیں اور مصیبتیں اور تباہیاں ہر طرف سے تم پر ہجوم کریں گی۔''[۲]

قرآن حکیم کے دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [۳]۔

''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔''

حضرت ہود نے اپنی قوم سے خطاب کر کے انہیں اسی حقیقت سے آگاہ کیا تھا:

﴿يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ [۴]۔

''اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو، تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھا دے اور تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔''

حضرت نوحؑ نے بھی دعوت کے دوران اسی حقیقت کا بیان کیا:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ [۵]۔

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔ اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔

مذکورہ آیات میں واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا اتباع کرنا اور اس کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا دنیا میں مادی اور معاشی فوائد کے حصول کا باعث ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا انعام آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیا گیا ہے، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو بھی شخص اور جو بھی قوم اللہ کے احکام سے اعراض کرے گی اور بغاوت کی روش اختیار کرے گی، اسے

آخرت میں جو عذاب ہوگا، وہ تو ہوگا ہی مگر دنیا میں بھی اسے مادی اور معاشی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اللہ کی عطا کردہ دنیوی نعمتیں، مادی راحتیں اور معاشی آسائشیں بھی اس سے چھن جاتی ہیں۔

جیسے ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾۶۔

''اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی، اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔''

دنیوی نعمتوں کے چھن جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا زندہ رہنا محال ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی تنگ کردی جاتی ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''خدا سے بغاوت کی روش صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی انسان کی زندگی کو تنگ کر دیتی ہے اور اس کے برعکس اگر کوئی قوم نافرمانی کے بجائے ایمان وتقویٰ اور احکام الٰہی کی اطاعت کا طریقہ اختیار کرے تو یہ آخرت ہی میں نافع نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی اس پر نعمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔''۷

لیکن اگر انسان اور معاشرے اللہ کے احکام کو پامال کرنا شروع کردیں اور ظلم وستم کا بازار گرم کریں اور بدامنی پھیل جائے تو نہ صرف افراد، معاشرہ اور ریاست معاشرتی اور سیاسی طور پر تباہ حال ہو جاتے ہیں بلکہ وہ معاشی اعتبار سے بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے معاشی استحکام کے لیے جہاں ظلم وستم کو منع فرمادیا وہاں غصب، چوری، ڈاکہ زنی، بیوع فاسد، اسراف، تبذیر دھوکہ دہی اور رشوت ستانی جیسے غلط اقدامات پر روک لگادی اور باز نہ آنے والوں کے لیے حدود وتعزیرات کی شکل میں سزائیں بھی مقرر کیں تاکہ ریاست میں ہر انسان کے مال حقوق کا تحفظ ہو سکے اور ہر انسان پرسکون ہو کر زندگی بسر کر سکے۔ اور ریاست بھی معاشی طور پر ترقی کی راہ پہ گامزن ہو سکے۔ یہ شرعی سزائیں بھی حصول منفعت اور جلب مضرت میں معاشی

طور پر اپنا بھرپور کردار ادا کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بنیادی انسانی حقوق وضروریات کا تحفظ بھی یقینی بناتی ہیں جس کی وجہ سے معیشت ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ معاشی ضروریات کا تحفظ بھی شریعت اسلامیہ کے بنیادی مقاصد میں سے اہم ترین مقصد ہے۔

امام عبدالقادر عودہ شہیدؒ رقم فرماہیں:

> ''شریعت اسلامیہ کا مقصد اول لوگوں کی ضروریات کا تحفظ کرنا ہے اور ضروریات زندگی وہ امور ہوتے ہیں، جن پر انسانی زندگی کا دارومدار ہو اور جن کے بغیر صحیح معنوں میں زندگی استوار نہ ہو سکے بلکہ بدنظمی، انتشار اور فساد پھیل جائے۔ ضروریات زندگی میں پانچ امور شامل ہیں: مذہب، نفس، عقل، نسل اور مال۔ شریعت اسلامیہ نے ان میں سے ہر ایک ضرورت کو بروئے کار لانے، پروان چڑھانے اور اس کے تحفظ کے بارے میں احکام جاری کیے ہیں اور ان امور سے متعلقہ احکام کو لازمی قرار دیا ہے۔''[۵]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے بنیادی ضروریات زندگی سے متعلقہ جن پانچ قسم کے انسانی حقوق کا تحفظ یقینی بنایا ہے ان میں مال کا تحفظ بھی شامل ہے۔ ہر فرد کی انفرادی ملکیت کے تحفظ کو یقینی بنانا اسلام کا خاصہ ہے اسی لیے کسی فرد کے مال پر دست درازی کرنے والوں کے لیے اسلام نے سرقہ وحرابہ کی حدود مقرر کی ہیں تا کہ ہر فرد کا مال سلب ونہب سے محفوظ رکھا جا سکے۔

مولانا محمد حنیف ندویؒ رقم طراز ہیں:

> ''نجی ملکیت کا مسئلہ فی نفسہ برائی نہیں ہے بلکہ اس کی تہ میں جو فلسفہ کارفرما ہے، وہ یہ ہے کہ ہر ہر شخص جن چیزوں کا جائز طور سے وارث ہے اور مال ودولت کی جس مقدار کو اس نے اپنی محنت وکاوش سے یا کاروباری مہارت سے جمع کیا ہے، اس کا تحفظ کیا جائے اور کوئی شخص بھی زور، دھاندلی اور مکاری سے ان حقوق میں دخل اندازی نہ کر سکے۔ نجی ملکیت کے معانی دراصل تحفظ حقوق کے ہیں، یعنی ہر شخص اس اطمینان سے بہرہ مند ہو کہ معاشرے میں اس نے اپنی فکری وعملی صلاحیتوں کے بل بوتے پر جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ اس کا اپنا ہے۔ غیروں کو اس میں سلب ونہب کا حق

نہیں۔"۹

معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے معاش کے باب میں انفرادی ملکیت کا تصور دیا ہے اور اس کے تحفظ کا احساس یقینی بنایا ہے کہ جو کچھ بھی اس کے پاس ہے، وہ ذاتی حیثیت میں بہر حال اس کا مالک ہے اور کسی دوسرے کو بلا اجازت اور بلا رضا اس میں تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ ایک فرد کا مال کہنے کو ایک فرد کی ملکیت ہوتا ہے مگر اس کے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں، چنانچہ ایک فرد کے مال کا تحفظ گویا تمام معاشرہ کے تحفظ کو یقینی بناتا ہے اور پورا معاشرہ اس کے فوائد سے بہرہ مند ہوتا ہے اور ایک فرد کا عدم تحفظ سے دوچار ہونا پورے معاشرے کو معاشی اور معاشرتی عدم تحفظ کا شکار کر دیتا ہے جس کے مضر نتائج مجموعی طور پر پورے معاشرے کو بھگتنا پڑتے ہیں۔

جسٹس تنزیل الرحمٰن رقم کرتے ہیں:

> "معاشرہ کے افراد کے قبضہ میں مال محض ان کی انفرادی قوت ہی کا باعث نہیں ہوتا بلکہ پورے معاشرے کے لیے باعث قوت و استحکام ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسے صحیح طور پر محفوظ رکھا جائے۔ صاحبان مال اپنے مالوں سے منفعت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے طریقہ کار کی محافظت بھی ضروری ہے تاکہ مفاسد عامہ سے محفوظ رہ سکے اور ایسا نہ ہو کہ لوگ اپنے مال کو باطل طریقہ سے کھا جائیں۔ شریعت نے اس نظام کے سلسلہ میں احکام صادر فرمائے ہیں اور احکام کی خلاف ورزی پر سزا تجویز کی ہے۔"۱۰

جو ریاست اپنے معاشروں کو معاشی طور پر مستحکم کرنا چاہتی ہے اسے بنیادی طور پر ایک فرد کی سطح تک تحفظ کا احساس یقینی بنانا ہوگا اور ریاست کو بہر حال سخت ترین اقدامات کرنے ہوں گے۔ خود اسلام نے بھی ایک انسان کی جملہ ضروریات کا تحفظ یقینی بنایا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد اقدامات اٹھائے ہیں، چنانچہ انسان کے دین کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود دین کی حفاظت کا انتظام کیا ہے اور جو شخص بلا کسی معقول حجت کے دین کا دامن ہاتھ سے چھوڑے گا، اسے مرتد قرار دیا ہے اور اس پر موت کی سخت ترین سزا سنائی ہے۔ انسانی نفس کے تحفظ کے لیے کسی کا ناحق قتل کرنا حرام کر دیا ہے اور ایک انسان کا قتل تمام انسانیت قتل کرنے کے مترادف قرار دیا ہے اور قتل کی روک تھام کے لیے قصاص و دیت کا قانون مقرر کیا ہے۔ انسانی عقل کے تحفظ کے لیے تمام نشہ آور اشیاء حرام قرار پائی ہیں اور شراب نوشی کے مرتکب پر حد خمر کا اعلان کیا ہے۔ انسانی ناموس

اور انسانی نسل کے تحفظ کے لیے نکاح کا پاکیزہ نظام دیا ہے اور جو شخص بھی اس نظام میں فساد پیدا کرے گا یا کسی بے قصور پر تہمت تراشے گا، اس زانی اور قاذف پر حد زنا اور حد قذف جاری ہوگی اور انسانی مال کے تحفظ کے لیے حلال وحرام اور جائز وناجائز کا پورا پروگرام دیا ہے، چنانچہ جو شخص چوری یا ڈکیتی وغیرہ کر کے کسی کا مال ہتھیائے گا، اسے حد سرقہ اور حد حرابہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یوسف حامد العالم رقم کرتے ہیں:

> ''ان سزاؤں میں یہ مصلحت پیش نظر ہے کہ لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوں، راستے اور شاہراہیں خطرات سے پاک ہوں کیونکہ ڈاکے کا خوف سفر کو انتہائی پر خطر بنا دیتا ہے اور قوت کے ذریعہ مال چھین کر کمانا کمائی کے ناجائز ذرائع میں سب سے زیادہ خطرناک ہے چنانچہ شریعت نے قوت وغلبہ کو کمائی کے جائز ذرائع کے طور پر تسلیم نہیں کیا، حتی کہ مال غنیمت بھی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے جہاد کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔''[۱۱]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے حد حرابہ کی شکل میں ڈکیتی، رہزنی اور چھینا جھپٹی جیسے جبری اقدامات کا انسداد کیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ جتھے بنا کر امن عامہ غارت کریں گے یا عوام کے جان و مال کو نقصان پہنچائیں گے، اسلامی ریاست میں انہیں حرابہ کی سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور سزا کے طور پر انہیں عبرت ناک انداز میں قتل کر دیا جائے گا یا انہیں پھانسی دے دی جائے گی یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں گے یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا تا کہ عوام اس اعتماد اور یقین کے ساتھ محنت کریں کہ ان کی جمع پونجی پر کسی شخص کو دست اندازی کی جرات نہ ہوگی ورنہ عوام اگر عدم اعتماد سے دوچار ہوں گے اور انہیں اپنے مال کے تحفظ کا یقین نہ ہوگا، وہ کسب معاش میں کیونکر محنت کر سکیں گے اور اپنی صلاحیتیں کیسے بروکار لائیں گے؟

علامہ ابن خلدونؒ اپنے مقدمہ ابن خلدون میں رقم کرتے ہیں:

> ''جاننا چاہیے کہ لوگوں کے مال پر دست درازی کرنا آئندہ کے لیے ان کو تحصیل و اکتساب سے روک دیتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ دیکھتے ہیں کہ محنت و جانفشانی سے مال پیدا کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ مال ان کے ہاتھ سے چھن جائے۔ اس لیے جب لوگوں کو اپنے مال ومنال کے لٹ جانے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے اکتساب و

استحصال کا جوش ونشاط دب جاتا ہے اور ان کے ہاتھ کوشش سے رک جاتے ہیں۔'' ۱۲

معاشرے کو معاشی طور پر مضبوط بنانے کا بنیادی ذریعہ، امن عامہ کا قیام ہے اور ریاست کا بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ اس قسم کا ماحول پیدا کرے گی جس سے افراد اور معاشرہ اپنے اموال واسباب کے متعلق غیر یقینی صورت حال کا شکار نہ ہوں بلکہ احساس محرومی سے باہر آئیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہ ہوگا جب تک ریاست اپنی قوت قاہرہ کا مظاہرہ نہ کرے گی اور ان جرائم پیشہ عناصر کی بیخ کنی نہ کرے گی جو دوسروں کے مال وجان سے کھلواڑ بناتے ہیں کیونکہ جب تک معاشرے میں ظلم و جبر سے دوسروں کا مال ہتھیانے کا سلسلہ جاری رہے گا، لوگ عدم تحفظ اور احساس محرومی کا شکار رہیں گے۔ اس غیر یقینی صورت حال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پیداواری مقاصد کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار نہ لاسکیں گے، لہذا ریاست کو اس باب میں سخت سے سخت اقدامات کرنا ہوں گے اور اسلامی ریاست کے ان اقدامات کا اصطلاحی نام حد سرقہ اور حد حرابہ ہے۔

علامہ ابن خلدونؒ اپنے مقدمہ میں رقم کرتے ہیں:

''اور جس قدر ظلم وعدوان جائز رکھا جاتا ہے اسی قدر رعایا کسب سے دست کش ہو جاتی ہے۔ جب ظلم زیادہ اور عام ہوتا ہے تو تمام مکاسب سے لوگ ہاتھ اٹھا لیتے ہیں...... اور جس حالت میں ظلم جس قدر کم ہوتا ہے تو کسب سے رعایا کا انقباض بھی کم ہو جاتا ہے۔'' ۱۳

اسلام سے قبل جاہلیت کے دور میں جنگل کا قانون رائج تھا اور مختلف قبیلوں میں جنگ وجدل کا بازار گرم رہتا تھا۔ بے شمار لوگ جنگوں کی نذر ہو جایا کرتے تھے۔ اہل عرب کی آمدن کا زیادہ حصہ تجارت پر مشتمل تھا، چنانچہ تجارت پیشہ لوگوں کو جرات نہ ہوتی تھی کہ اپنے دشمن قبائل کے علاقوں میں جاسکیں یا جن کا کوئی فرد ان کے ہاتھوں قتل ہوا ہے، ان کے پاس سے گزر سکیں کیونکہ تجارتی قافلوں پر شب خون مارنا معمول کی بات تھی۔ جس کی وجہ سے وہ نہ صرف معاشی بدحالی کا شکار تھے بلکہ معاشرتی بدامنی سے بھی دوچار تھے، لہذا اسلام نے حد حرابہ وسرقہ کی سزائیں مقرر کردیں تاکہ معاشی سرگرمیاں برابر حیثیت میں جاری رہ سکیں اور ریاست کا معاشی نظام ترقی کرے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ رقم کرتے ہیں:

''اگر باہمی لڑائیاں لوگوں میں جاری رہیں تو آبادیاں اور شہر خراب اور ویران ہو جائیں اور تمام امور معاش میں خلل پڑ جائے اور تمدنی زندگی میں خطرناک تباہیاں اور

بربادیاں ظاہر ہوں۔۱۴؎

حرابہ کی طرح اسلامی شریعت نے زنا جیسے قبیح جرم کے ارتکاب پر حد زنا مقرر کی ہے چنانچہ کوئی غیر شادی شدہ شخص اگر زنا کا مرتکب ہوگا، اس پر سو کوڑوں کی حد جاری ہوگی اور شادی شدہ زانی کو سزائے زنا کے طور پر رجم کردیا جائے گا۔ اسلام کی مقرر کردہ حد زنا کی یہ سزا بھی بلاشبہ معاشرے اور ریاست کے معاشی استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ زنا کے مقدمات میں زانی اپنی محبوبہ کا دل جیتنے کی غرض سے تحائف میں قیمتی ترین اشیاء دیتا ہے اور اکثر اوقات اپنے محدود وسائل سے زیادہ پاؤں پھیلا بیٹھتا ہے اس کے علاوہ محبوبہ کی نت نئی فرمائشیں بھی اس پر معاشی بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ زنا جیسے جنسی تعلقات کے ناجائز ذرائع بے شمار موذی اور مہلک امراض کا سبب ہوتے ہیں اور انسانی صحت کا ستیاناس کر دیتے ہیں، چنانچہ جنسی امراض میں مبتلا شخص نہ صرف مفید معاشی جدوجہد کے قابل نہیں رہتا بلکہ اس کے علاج پر بھی ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشی طور پر آسودہ حال خاندان مفلوک اور مفلس بن کر رہ جاتا ہے۔ جنسی امراض میں مبتلا افراد کا دائرہ کار جس قدر وسیع ہوتا جائے گا، اسی قدر معاشرہ بھی بڑے پیمانے پر عدم آسودگی سے دوچار ہوگا جو بہرحال ریاست کے معاشی بوجھ میں اضافے کا باعث بنے گا۔

مولانا محمد متین ہاشمی رقم کرتے ہیں:

> ''زنا میں مبتلا افراد رفتہ رفتہ فقروفاقے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، مزنیہ کی لمبی لمبی فرمائشیں انہیں مجبور کرتی ہیں کہ وہ جس طرح بھی ہو، انہیں پورا کریں، وسائل تو محدود ہوتے ہیں اور فرمائشیں لامحدود۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی جائیداد فروخت کرکے انکی فرمائشیں پوری کرتا ہے، اس طرح پورے کا پورا خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔''۱۵؎

اسلام نے شراب جیسی نشہ آور اشیاء کا استعمال حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ فتور عقل کی صورت میں سامنے آتا ہے اور عقل کا فتور ضیاع مال کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شراب نوشی کا شغل دولت کا ایک بے جا مصرف ہی نہیں بلکہ سرمائے کا ضیاع بھی ہے۔ ضیاع دولت کی ایک صورت یہ ہے کہ شراب پینے کا عمل آہستہ آہستہ انسان کی عادت بن جاتا ہے اور شراب نوشی رفتہ رفتہ خوراک کی مانند انسان کی ایک بنیادی ضرورت بن جاتی ہے اور اس کے حصول میں جو پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، وہ کسی دیگر ضروری کام کے لیے استعمال میں لایا جاسکتا تھا۔ ضیاع دولت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس حرام مصرف پر مال خرچ کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ مال اور خاندان سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور جس مال میں برکت نہ ہوگی وہ جس قدر بھی زیادہ

ہو،ضرورت کے لیے بہر حال کافی نہ ہوگا۔

مولانا محمد متین ہاشمی لکھتے ہیں:

''جس خاندان کے افراد شراب نوشی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔اس خاندان سے برکت اٹھ جاتی ہے اور آمدنی کا بیشتر حصہ شراب پر صرف ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ ایک بھرا پرا مرفہ الحال خاندان کبھی نہ ختم ہونے والے افلاس میں گرفتار ہو جاتا ہے۔۱۶

شراب نوشی، مال کے ضیاع کا اس صورت میں بھی باعث بنتی ہے کہ نشے میں مدہوش ہو کر محض موسیقی پر پیسے اڑانا اور اس شغل میں باہمی مقابلہ کرنا ہمارے دیہات میں خصوصا شادی بیاہ کے موقع پر ایک معمول کی حیثیت رکھتا ہے۔اسلام سے قبل جاہلیت میں بھی لوگ شراب پیتے تھے اور مستی کے کیف میں جود و سخات کرتے تھے۔نشے کی حالت میں سخاوت کا یہ عمل نیکی کے حصول کا نہیں بلکہ باہمی فخر کے اظہار کا ذریعہ ہوا کرتا تھا۔جاہلی ادب میں فخر و مباہات کا یہ باب جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے شراب کا ایک نام بنت الکرم بھی رکھ چھوڑا تھا کیونکہ اس کے نتیجہ میں کرم (سخاوت) کرنا آسان ہو جاتا تھا۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ رقم کرتے ہیں:

''اسی کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ شراب نوشی پر فخر کیا کرتے تھے۔اس لیے نہیں کہ وہ بذات خود کوئی فخر کی چیز تھی بلکہ اس لیے کہ شراب کرم وسخاوت کو آسان کر دیتی تھی کیونکہ نشے کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا اس لیے یہ لوگ انگور کے درخت کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت الکرم کہتے تھے۔''۱۷

مذکورہ مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف جرائم پر اسلام کی مقرر کردہ حدود و تعزیرات کی سزائیں اسلامی ریاست کے معاشی استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔اسلامی حدود و تعزیرات سے نہ صرف مجرم کو قرار واقعی سزا سے دو چار ہونا پڑتا ہے بلکہ معاشرے میں جرائم کا یقینی طور پر سد باب بھی ہو جاتا ہے۔اور کسی معاشرے میں جرائم کا خاتمہ اس حقیقت کا مظہر ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں فتنہ وفساد کی بجائے امن وامان قائم ہے،عوام وخواص کے مال واسباب محفوظ ہیں،جرائم پیشہ عناصر منفی سرگرمیوں سے باز آچکے ہیں اور تمام افراد اور معاشرے،مثبت اور تعمیری کاموں میں سرگرم ہیں۔ان حالات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے کی پیداواری صلاحیت میں مجموعی طور پر اضافہ ہو جائے گا اور لوگ معاشی طور پر خوش حال بن جائیں گے۔

جناب غزالی خلیل عید رقم کرتے ہیں: